© rasailojaraid.com

اسلام میں انسانی حقوق

(ایک تقریر جو فلیٹیز ہوٹل لاہور میں شہری حقوق اور آزادیوں کے فورم کی دعوت پر ۱۶ نومبر ۱۹۷۵ء کو کی گئی تھی)۔

جناب صدر اور محترم حاضرین و خواتین۔

مجھے "اسلام میں انسانی حقوق" کے موضوع پر آپ سے کچھ عرض کرنا ہے۔ لیکن اس سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ دو باتوں پر اچھی طرح روشنی ڈال دوں تاکہ دوران بحث میں ان کے متعلق کوئی الجھن پیش نہ آئے۔

مغرب میں انسانی حقوق کا تصور

اہلِ مغرب کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ وہ ہر اچھی چیز کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ نعمت بس ہمارے ذریعے سے دنیا کو ملی ہے، ورنہ دنیا ان چیزوں سے ناآشنا اور نری جہالت میں مبتلا تھی۔ اب ذرا اسی حقوقِ انسانی کے مسئلے کو دیکھیے۔ بڑے دعووں کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ اس کا تصور لوگوں کو انگلستان کے میگنا کارٹا کے ذریعے سے نصیب ہوا ہے۔ اگرچہ پھر بھی وہ اسلام کے چھ سو برس بعد کی چیز ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ سترھویں صدی کے قانون دانوں سے پہلے کسی کے ذہن میں یہ تصور موجود نہ تھا کہ میگنا کارٹا میں ٹرائل بائی جیوری (TRIAL BY JURY)، ہیبئس کارپس (HABEAS CORPUS) اور ٹیکس لگانے کے اختیارات پر پارلیمنٹ کے کنٹرول کے حقوق بھی شامل ہیں۔ اگر میگنا کارٹا کے لکھنے والے اس زمانے میں موجود ہوتے تو ان کو سخت حیرت ہوتی کہ میگنا کارٹا میں یہ چیزیں بھی موجود تھیں۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے سترھویں صدی سے پہلے اہلِ مغرب میں حقوقِ انسانی اور حقوقِ شہریت کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ سترھویں صدی کے بعد بھی ایک مدتِ دراز تک فلسفیوں اور قانونی افکار پیش کرنے والے لوگوں نے تو ضرور اس خیال کو پیش کیا تھا، لیکن عملاً اس تصور کا ثبوت اٹھارھویں صدی کے آخر میں امریکا اور فرانس کے دستوروں اور اعلانات ہی میں ملتا ہے۔ اس کے بعد مختلف ملکوں کے دستوروں میں بنیادی حقوق کا ذکر کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرور گیا ہے مگر اکثر و بیشتر حالات میں یہی صورت پائی گئی ہے کہ جو حقوق کاغذ پر دیے گئے ہیں وہ زمین پر نہیں دیے گئے۔ موجودہ صدی کے وسط میں اقوامِ متحدہ نے، جس کو اب اقوامِ متفرقہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا، حقوقِ انسان کا اعلان (UNIVERSAL DECLARATION OF HUMAN RIGHTS) شائع کیا، اور نسل کشی (GENOCIDE) کے خلاف بھی ایک قرارداد منظور کی اور ایک ضابطہ بنایا۔ لیکن آپ سب جانتے ہیں کہ اقوامِ متحدہ کا کوئی ضابطہ بھی ایسا نہیں ہے جو واجب العمل ہو، جس کے پیچھے کوئی طاقت ایسی ہو جو اس کو نافذ کرائے۔ اس کے ان تمام فیصلوں کے باوجود انسانی حقوق جگہ جگہ پامال ہوئے ہیں اور اقوامِ متحدہ ان کی کوئی روک تھام نہیں کر سکی ہے۔ دنیا میں نسل کشی کا ارتکاب بھی ہو رہا ہے۔ خود آپ کے پڑوسی ملک ہندوستان میں مسلمانوں کی نسل کشی ۴۸ سال سے جاری ہے۔ لیکن اقوامِ متحدہ میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اس کے خلاف کوئی کارروائی کرے۔ اس پر کہیں کسی ملک کے خلاف بھی آج تک کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

اسلام میں انسانی حقوق کی اصل حیثیت

دوسری بات جو میں چاہتا ہوں کہ ابتدا ہی میں اچھی طرح واضح ہو جائے، یہ ہے کہ جب ہم اسلام میں انسانی حقوق کی بات کرتے ہیں تو اس کے معنی دراصل یہ ہوتے ہیں کہ یہ حقوق خدا کے دیے ہوئے ہیں۔ یہ کسی بادشاہ یا کسی مجلس قانون ساز کے دیے ہوئے نہیں ہیں۔ بادشاہوں اور قانون ساز اداروں کے دیے ہوئے حقوق جس طرح دیے جاتے ہیں اسی طرح جب وہ چاہیں واپس بھی لیے جا سکتے ہیں۔ ڈکٹیٹروں کے تسلیم کردہ حقوق کا بھی حال یہ ہے کہ جب چاہیں وہ عطا فرمائیں، جب چاہیں واپس لے لیں اور جب چاہیں علانیہ ان کے خلاف عمل کریں۔ لیکن اسلام میں انسان کے جو حقوق ہیں وہ خدا کے دیے ہوئے ہیں۔ دنیا کی کوئی مجلس قانون ساز اور دنیا کی کوئی حکومت ان کے اندر ردّ و بدل کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ ان کو واپس لینے یا منسوخ کر دینے کا کوئی حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ یہ نمائشی بنیادی حقوق بھی نہیں ہیں جو کاغذ پر دیے جائیں اور زمین پر چھین لیے جائیں۔ ان کی نوعیت فلسفیانہ افکار کی بھی نہیں ہے جن کے پیچھے کوئی قوتِ نافذہ (SANCTION) نہیں ہوتی۔ اقوامِ متحدہ کے چارٹر اور اعلانات اور قراردادوں کو بھی ان کے مقابلے میں نہیں لایا جا سکتا۔ کیونکہ وہ کسی پر بھی واجب العمل نہیں ہیں۔ یہ تو دینِ اسلام کا ایک حصہ ہیں۔ ہر مسلمان ان کو حق تسلیم کرے گا اور ہر اس حکومت کو انہیں تسلیم کرنا اور نافذ کرنا پڑے گا جو اسلام کی طرف منسوب ہو اور جس کے چلانے والوں کا یہ دعویٰ ہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے اور ان حقوق کو جو خدا نے دیے ہیں چھینتے ہیں، یا ان میں ترمیم و تنسیخ کرتے ہیں، یا عملاً انہیں پامال کرتے ہیں تو ان کے متعلق قرآن مجید کا صاف فیصلہ یہ ہے کہ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۔ "جو لوگ اللہ کے حکم کے خلاف فیصلہ کریں وہی کافر ہیں"۔ اس کے بعد دوسری آیت میں فرمایا فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ "وہی ظالم ہیں"۔ اور تیسری آیت میں فرمایا فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ "وہی فاسق ہیں"۔ دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ اگر وہ خود اپنے افکار اور اپنے فیصلوں کو برحق سمجھتے ہوں اور خدا کے دیے ہوئے احکام کو باطل قرار دیتے ہوں، تو کافر ہیں۔ اور اگر وہ حق تو خدائی احکام ہی کو سمجھتے ہوں مگر اپنے خدا کی دی ہوئی چیز کو جان بوجھ کر رد کرتے اور اپنے فیصلے اس کے خلاف نافذ کرتے ہوں، تو وہ فاسق اور ظالم ہیں۔ فاسق اس کو کہتے ہیں جو اطاعت سے نکل جائے۔ اور ظالم وہ ہے جو حق کے خلاف کام کرے۔ لہٰذا ان کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا وہ کفر میں مبتلا ہیں، یا پھر وہ فسق اور ظلم میں مبتلا ہیں۔ بہرحال جو حقوق اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیے ہیں وہ دائمی اور مستقل ہیں، اٹل ہیں، ان کے اندر کسی ردوبدل اور کسی ترمیم و تنسیخ کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ دو باتیں اچھی طرح ذہن میں رکھ کر اب دیکھیے کہ اسلام انسانی حقوق کا کیا تصور پیش کرتا ہے۔

خالص انسانی حقوق

انسان بحیثیت انسان کے حقوق

سب سے پہلی چیز جو اس مسئلے میں ہمیں اسلام کے اندر ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام بجائے خود انسان بحیثیتِ انسان کے کچھ حقوق مقرر کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان، خواہ وہ ہمارے اپنے ملک اور وطن کا ہو یا کسی دوسرے ملک اور وطن کا، ہماری قوم کا ہو یا کسی دوسری قوم کا، مومن ہو یا کافر، کسی جنگل کا باشندہ ہو یا کسی صحرا میں پایا جاتا ہو، بہرحال محض انسان ہونے کی حیثیت سے اس کے کچھ حقوق ہیں جن کو ایک مسلمان لازماً ادا کرے گا اور اس کا فرض ہے کہ وہ انہیں ادا کرے۔

۱۔ زندہ رہنے کا حق

ان میں اوّلین چیز زندہ رہنے کا حق، اور انسانی جان کے احترام کا فرض ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا۔ "جس شخص نے کسی ایک انسان کو قتل کیا، بغیر اس کے کہ اس سے کسی جان کا بدلہ لینا ہو، یا وہ زمین میں فساد برپا کرنے کا مجرم ہو، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا"۔ جہاں تک خون کا بدلہ لینے یا فساد فی الارض پر سزا دینے کا سوال ہے اس کا فیصلہ ایک عدالت ہی کر سکتی ہے۔ یا کسی قوم سے جنگ ہو تو ایک باقاعدہ نظامِ حکومت ہی اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ بہرحال کسی فرد کو انفرادی طور پر یہ حق نہیں ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر وہ قصاص لے یا فساد فی الارض کی سزا دے۔ اس لیے ہر انسان پر یہ واجب ہے کہ قتلِ انسان کا ہرگز ارتکاب نہ کرے۔ اگر کسی نے ایک انسان کو قتل کیا تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اسی مضمون کو دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں اس طرح دُہرایا گیا ہے کہ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ "کسی جان کو حق کے بغیر قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے"۔ یہاں بھی حرمتِ قتل کو ایسے قتل سے مستثنیٰ کیا گیا ہے جو حق کے ساتھ ہو، اور حق کا فیصلہ بہر حال کوئی عدالتِ مجاز ہی کرے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتلِ نفس کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ اَکْبَرُ الْکَبَائِرِ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ۔ اِن تمام آیات اور احادیث میں مطلقاً نفس کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کسی خاص نفس کو مختص نہیں کرتا کہ اس کا مطلب یہ لیا جا سکے کہ اپنی قوم، یا اپنے ملک کے شہری، یا کسی خاص نسل، رنگ یا وطن، یا مذہب کے آدمی کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ حکم تمام انسانوں کے بارے میں ہے اور بجائے خود ہر انسانی جان کو ہلاک کرنا حرام کیا گیا ہے۔

جینے کا حق "انسان" کو صرف اسلام نے دیا ہے اب آپ دیکھیے کہ جو لوگ حقوق انسانی کا نام لیتے ہیں انہوں نے اگر اپنے دستوروں میں یا اعلانات میں کہیں حقوق انسانی کا ذکر کیا ہے تو فی الحقیقت اس میں یہ بات مضمر (IMPLIED) ہوتی ہے کہ یہ حقوق یا تو اُن کے شہریوں کے ہیں، یا پھر وہ ان کو سفید نسل والوں کے لیے مخصوص سمجھتے ہیں۔ جس طرح آسٹریلیا میں انسانوں کا شکار کر کے سفید نسل والوں کے لیے قدیم باشندوں سے زمین خالی کرائی گئی، اور امریکہ میں وہاں کے پرانے باشندوں کی نسل کشی کی گئی اور بقیۃ السیف کو مخصوص علاقوں (RESERVATIONS) میں مقید کر دیا گیا، اور افریقہ کے مختلف علاقوں میں گھس کر انسانوں کو جانوروں کی طرح ہلاک کیا گیا، یہ ساری چیزیں اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ انسانی جان کا بحیثیت "انسان" کوئی احترام اُن کے دل میں نہیں ہے۔ اگر کوئی احترام ہے تو اپنی قوم یا اپنے رنگ یا اپنی نسل کی بنیاد پر ہے۔ لیکن اسلام تمام انسانوں کے لیے اس حق کو تسلیم کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص وحشی قبائل سے تعلق رکھتا ہے تو اس کو بھی اسلام انسان ہی سمجھتا ہے۔

۲۔ حفاظتِ جان کا حق قرآن مجید کی جو آیت میں نے ابھی تلاوت کی ہے اس کے معاً بعد یہ فرمایا گیا ہے کہ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَکَاَنَّمَا اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا۔ "اور جس نے کسی نفس کو بچایا اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی"۔ آدمی کو موت سے بچانے کی بے شمار شکلیں ہیں۔ ایک آدمی بیمار یا زخمی ہے، قطع نظر اس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ وہ کس نسل، کس قوم یا کس رنگ کا ہے۔ اگر وہ آپ کو بیماری کی حالت میں یا زخمی ہونے کی حالت میں ملا ہے تو آپ کا کام یہ ہے کہ اس کی بیماری یا اس کے زخم کے علاج کی فکر کریں۔ اگر وہ بھوک سے مر رہا ہے تو آپ کا کام یہ ہے کہ اس کو کھلائیں تاکہ اس کی جان محفوظ ہو جائے۔ اگر وہ ڈوب رہا ہے یا اور کسی طرح سے اس کی جان خطرے میں ہے تو آپ کا فرض ہے کہ اس کو بچائیں۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہودیوں کی مذہبی کتاب تلمود میں بعینہٖ اس آیت کا مضمون درج ہے، مگر اس کی عبارت یہ ہے کہ "جس نے اسرائیل کی ایک جان کو ہلاک کیا، الکتاب (SCRIPTURE) کی نگاہ میں اس نے گویا ساری دنیا کو ہلاک کر دیا، اور جس نے اسرائیل کی ایک جان کو محفوظ رکھا الکتاب کے نزدیک اس نے گویا ساری دنیا کی حفاظت کی"۔ تلمود میں یہ بھی صاف لکھا ہے کہ اگر کوئی غیر اسرائیلی ڈوب رہا ہو اور تم نے اسے بچانے کی کوشش کی تو گناہ گار ہو گے۔ نسل پرستی کا کرشمہ دیکھیے۔ ہم ہر انسان کی جان بچانے کو اپنا فرض سمجھتے ہیں، کیونکہ قرآن مجید نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ لیکن وہ اگر بچانا ضروری سمجھتے ہیں تو صرف بنی اسرائیل کی جان کو، باقی رہے دوسرے انسان تو دینِ یہود میں وہ انسان سمجھے ہی نہیں جاتے۔ ان کے ہاں گوئیم کا تصور، جس کے لیے انگریزی میں (GENTILE) اور عربی میں اُمّی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، یہ ہے کہ ان کے کوئی انسانی حقوق نہیں ہیں۔ انسانی حقوق صرف بنی اسرائیل کے لیے مخصوص ہیں۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر آیا ہے کہ یہودی کہتے ہیں لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ "ہمارے اوپر اُمّیوں کے بارے میں (یعنی ان کا مال مار کھانے میں) کوئی گرفت نہیں ہے"۔

۳۔ عورت کی عصمت کا احترام

تیسری اہم چیز اسلام کے دیے ہوئے انسانی حقوق میں یہ ہے کہ عورت کی عصمت بہر حال محترم ہے، خواہ وہ اپنی قوم کی ہو، یا دشمن قوم کی، جنگل بیابان میں ملے یا کسی مفتوح شہر میں، ہماری ہم مذہب ہو یا کسی غیر مذہب سے تعلق رکھتی ہو، یا لامذہب ہو، مسلمان کسی حالت میں بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ اس کے لیے زنا کو مطلقاً حرام کیا گیا ہے، خواہ اس کا ارتکاب کسی عورت سے کیا جائے۔ قرآن مجید کے الفاظ ہیں لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى۔ "زنا کے قریب نہ پھٹکو"۔ اور مزید برآں اس فعل کی سزا مقرر کر دی گئی ہے۔ یہ حکم کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔ عورت کی عصمت پر ہاتھ ڈالنا ہر حالت میں حرام ہے اور کوئی مسلمان اس فعل کا ارتکاب کر کے سزا سے نہیں بچ سکتا، خواہ دنیا میں سزا پائے یا آخرت میں۔ عورت کی عصمت کے احترام کا یہ تصور اسلام کے سوا کہیں نہیں پایا جاتا۔ مغربی فوجوں کو تو اپنے ملک میں بھی "رفعِ حاجت" کے لیے خود اپنی قوم کی بیٹیاں درکار ہوتی ہیں، اور غیر قوم کے ملک پر ان کا قبضہ ہو جائے تو اس ملک کی عورتوں کا جو حشر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ لیکن مسلمانوں کی تاریخ، مُنفَرِد انسانی غلطیوں سے قطع نظر، اِس سے خالی رہی ہے کہ کسی ملک کو فتح کرنے کے بعد ان کی فوجیں ہر طرف عام بدکاری کرتی پھری ہوں، یا ان کے اپنے ملک میں حکومت نے ان کے لیے فاحشات فراہم کرنے کا انتظام کیا ہو۔ یہ بھی ایک بڑی نعمت ہے جو نوعِ انسانی کو اسلام کی بدولت نصیب ہوئی ہے۔[1]

۴۔ ہر سائل و محروم کا یہ حق کہ اس کی مدد کی جائے

قرآن مجید میں یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ وَ فِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ ۔ "اور مسلمانوں کے مالوں میں مدد مانگنے والے اور محروم رہ جانے والے کا حق ہے۔" اوّل تو اِس حکم کے الفاظ بجائے خود مطلق ہیں، پھر یہ حکم مکّے میں دیا گیا تھا، جہاں کوئی مسلم معاشرہ باقاعدہ بنا ہی نہ تھا اور بالعموم مسلمانوں کا سابقہ غیر مسلم آبادی ہی سے پیش آتا تھا۔ اس لیے آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسلمان کے مال پر ہر مدد مانگنے والے اور ہر محروم رہ جانے والے انسان کا حق ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ اپنی قوم یا اپنے ملک کا ہو یا کسی قوم، ملک یا نسل سے تعلق رکھتا ہو۔ آپ استطاعت رکھتے ہوں اور کوئی حاجت مند آپ سے مدد مانگے، یا آپ کو معلوم ہو جائے کہ وہ حاجتمند ہے تو ضرور اس کی مدد کریں۔ خدا نے آپ پر اُس کا یہ حق قائم کر دیا ہے۔

۵۔ ہر انسان کا حقِ آزادی

اسلام میں کسی آزاد انسان کو پکڑ کر غلام بنانا یا اسے بیچ ڈالنا قطعی حرام قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف الفاظ یہ ہیں کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن کے خلاف قیامت کے روز میں خود مُستَغِیث ہوں گا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو کسی آزاد انسان کو پکڑ کر بیچے اور اُس کی قیمت کھائے (رَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَاَکَلَ ثَمَنَہٗ)۔ اس فرمانِ رسولؐ کے الفاظ بھی عام ہیں۔ ان کو کسی قوم یا نسل یا ملک و وطن کے انسان کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا ہے۔ اہلِ مغرب کو بڑا فخر ہے کہ انہوں نے غلامی کا انسداد کیا ہے، حالانکہ انہیں یہ قدم اُٹھانے کی توفیق پچھلی صدی کے وسط میں نصیب ہوئی ہے۔ اس سے پہلے جس بڑے پیمانے پر وہ افریقہ سے آزاد انسانوں کو پکڑ پکڑ کر اپنی نوآبادیوں میں لے جاتے رہے ہیں، اور ان کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کرتے رہے ہیں اس کا ذکر اُن کی اپنی ہی لکھی ہوئی کتابوں میں موجود ہے۔

[1] اسلامی نقطۂ نظر سے عصمت صرف عورت ہی کی نہیں مرد کی بھی ہوتی ہے۔ جو شخص زنا کرتا ہے وہ عورت کی عصمت ہی خراب نہیں کرتا، اپنی عصمت بھی خراب کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغربی اقوام کی غلام سازی امریکہ اور جزائر غرب الہند وغیرہ پر ان قوموں کا قبضہ ہونے کے بعد ساڑھے تین سو سال تک غلامی کی یہ ظالمانہ تجارت جاری رہی ہے۔ افریقہ کے جس ساحل پر اندرونِ ملک سے سیاہ فام لوگوں کو پکڑ پکڑ کر لایا جاتا اور بندرگاہوں سے ان کو آگے روانہ کیا جاتا تھا، اس کا نام ہی ساحلِ غلامان (SLAVE COAST) پڑ گیا تھا۔ صرف ایک صدی میں (۱۶۸۰ء سے ۱۷۸۶ء تک) صرف برطانوی مقبوضات کے لیے جتنے آدمی پکڑ کر لے جائے گئے ان کی تعداد خود برطانوی مصنفین نے دو کروڑ بتائی ہے۔ صرف ایک سال ایسا بتایا گیا ہے (۱۷۹۰ء) جس میں ۷۵ ہزار افریقی پکڑے اور غلام بنائے گئے۔ جن جہازوں میں وہ لے جائے جاتے تھے اُن میں ان افریقیوں کو بالکل جانوروں کی طرح ٹھونس کر بند کر دیا جاتا تھا، اور بہت سوں کو زنجیروں سے باندھ دیا جاتا تھا، ان کو نہ ٹھیک سے غذا دی جاتی تھی، نہ بیمار پڑیں یا زخمی ہو جائیں تو ان کے علاج کی فکر کی جاتی تھی۔ مغربی مصنفین کا اپنا بیان ہے کہ غلام بنانے اور جبری خدمت لینے کے لیے جتنے افریقی پکڑے گئے تھے ان میں سے ۲۰ فیصدی کا راستے ہی میں خاتمہ ہو گیا۔ یہ بھی اندازہ کیا جاتا ہے کہ مجموعی طور پر مختلف مغربی اقوام نے جتنے افراد کو پکڑا تھا ان کی تعداد دس کروڑ تک پہنچتی تھی۔ اس تعداد میں تمام مغربی اقوام کی غلام سازی کے اعداد و شمار شامل ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کا یہ منہ ہے کہ ہم پر شب و روز غلامی کو جائز رکھنے کا الزام لگاتے رہیں۔ گویا نکٹا کسی ناک والے کو طعنہ دے رہا ہے کہ تیری ناک چھوٹی ہے۔

اسلام میں غلامی کی حیثیت مختصراً میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسلام میں غلامی کی نوعیت کیا ہے۔ عرب میں جو لوگ اسلام سے پہلے کے غلام چلے آرہے تھے ان کے مسئلے کو اسلام نے اس طرح حل کیا کہ ہر ممکن طریقے سے اُن کو آزاد کرنے کی ترغیب دلائی۔ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ اپنے بعض گناہوں کے کفاروں میں اُن کو آزاد کریں۔ برضا و رغبت خود کسی غلام کو آزاد کرنا ایک بڑی نیکی کا کام قرار دیا گیا۔ یہاں تک کہا گیا کہ آزاد کرنے والے کا ہر عضو اُس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں دوزخ سے بچ جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافتِ راشدہ کے دور تک پہنچتے پہنچتے عرب کے تمام قدیم غلام آزاد ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ۶۳ غلام آزاد کیے۔ حضرت عائشہؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ۶۷ تھی۔ حضرت عباسؓ نے ۷۰، حضرت عبداللہؓ بن عمر نے ایک ہزار اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ۳۰ ہزار غلام خرید کر آزاد کر دیے۔ ایسے ہی بہت سے صحابہ کے متعلق روایات میں تفصیل آئی ہے کہ انہوں نے کتنے بندگانِ خدا کو غلامی سے رہا کیا تھا۔ اس طرح پرانے دور کی غلامی کا مسئلہ ۳۰، ۴۰ سال میں حل کر دیا گیا۔ اس کے بعد اسلام میں غلامی کی جو شکل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باقی رکھی گئی وہ صرف یہ تھی کہ جو قیدی جنگ میں پکڑے گئے ہوں ان کو اسلامی حکومت اُس وقت تک اپنے پاس رکھے جب تک ان کی حکومت ہمارے قیدیوں کو چھوڑ کر اپنے قیدی تبادلے میں حاصل نہ کر لے، یا وہ اُن کا فدیہ ادا کر کے انہیں رہا نہ کرا لے۔ اگر یہ دونوں صورتیں پیش نہ آتیں تو اسلامی حکومت اُن کو گرفتار کرنے والی فوج کے سپاہیوں میں تقسیم کر دیتی تھی اور وہ اُن کے مالک ہو جاتے تھے۔ یہ اِس سے زیادہ انسانی طریقہ تھا کہ ان کو قیدیوں کے باڑوں (CONCENTRATION CAMPS) میں رکھا جاتا اور ان سے جبری خدمت (FORCED LABOUR) لی جاتی اور اُن کی جو عورتیں گرفتار ہوتیں انہیں (PROSTITUTION) قحبہ گری کے لیے مختص کر دیا جاتا۔ اِس بے رحمانہ اور فتنہ پرور طریقے کے بجائے اسلام نے یہ پسند کیا کہ آبادی میں اُن کو پھیلا دیا جائے اور افراد کو افراد سے سابقہ پیش آئے۔ اس کے ساتھ مالکوں کو یہ حکم دیا گیا کہ ان سے نیک سلوک کرو۔ اِسی کا نتیجہ تھا کہ بیرونی قوموں کے جو لوگ مسلمانوں میں پکڑے ہوئے آئے اور غلام بنا لیے گئے وہ زیادہ تر مسلمان ہو گئے اور ان کی اولادوں میں مسلمانوں کے بڑے بڑے اَئمہ پیدا ہوئے، بڑے بڑے فقہا پیدا ہوئے، نامور محدثین پیدا ہوئے، سلطنتوں کے مدبّر اور فوجوں کے سپہ سالار پیدا ہوئے، حتیٰ کہ آگے چل کر وہ مسلمان ملکوں کے حکمران بنے۔ موجودہ زمانے میں اِس مسئلے کا جو حل تجویز کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جنگ کے بعد فریقین کے جنگی قیدیوں کا تبادلہ کر لیا جائے۔ مسلمان اِس کے لیے پہلے سے تیار تھے، بلکہ جہاں کہیں فریقِ مخالف نے قیدیوں کے تبادلے کو قبول کیا وہاں بلا تکلف اس تجویز پر عمل کیا گیا۔ لیکن اگر اِس زمانے کی کسی لڑائی میں ایک حکومت مکمل طور پر شکست کھا جائے اور غالب آنے والی طاقت اپنے آدمیوں کو چھڑا لے اور مغلوب حکومت باقی ہی نہ رہے کہ اپنے آدمیوں کو چھڑا سکے تو تجربہ یہ بتاتا ہے کہ مغلوب قوم کے قیدیوں کو غلامی سے بدتر حالت میں رکھا جاتا ہے۔ ہمیں بتایا جائے کہ گزشتہ جنگِ عظیم میں روس نے جرمنی اور جاپان کے جو قیدی پکڑے تھے ان کا حشر کیا ہوا۔ ان کا آج تک حساب نہیں ملا ہے۔ کچھ نہیں معلوم کہ کتنے زندہ رہے اور کتنے مر کھپ گئے۔ ان سے جو خدمات لی گئیں وہ غلاموں کی خدمت سے بدتر تھیں۔ غالباً فرعون کے زمانے میں اَہرام بنانے کے لیے غلاموں سے اُتنی ظالمانہ خدمات نہ لی گئی ہوں گی جتنی روس میں سائبیریا اور غیر ترقی یافتہ علاقوں کو ترقی دینے کے لیے جنگی قیدیوں سے لی گئیں۔

اب میں اس ضمنی بحث کو چھوڑ کر اپنے اصل موضوع پر آتا ہوں۔

۶۔ ہر انسان کا یہ حق کہ اس کے ساتھ انصاف کیا جائے | یہ ایک بڑا اہم حق ہے جو اسلام نے انسان کو بحیثیتِ انسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عطا کیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ .... اَنْ تَعْتَدُوْا ۔ "کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے .... کہ تم ناروا زیادتی کرنے لگو"۔ آگے چل کر اسی سلسلے میں پھر فرمایا۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ، اِعْدِلُوْا ، هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۔ "اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہی تقویٰ سے قریب تر ہے"۔ ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ ۔ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو"۔ معلوم ہوا کہ عام انسان ہی نہیں دشمنوں تک سے انصاف کرنا چاہیے ۔ دوسرے الفاظ میں اسلام جس انصاف کی دعوت دیتا ہے وہ محض اپنے ملک کے باشندوں کے لیے، یا اپنی قوم کے لوگوں کے لیے، یا مسلمانوں کے لیے ہی نہیں، بلکہ دنیا بھر کے سب انسانوں کے لیے ہے۔ ہم کسی سے بھی بے انصافی نہیں کر سکتے۔ ہمارا مستقل شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ کوئی شخص بھی ہم سے بے انصافی کا اندیشہ نہ رکھے اور ہم ہر جگہ ہر شخص کے ساتھ عدل و انصاف ملحوظ رکھیں۔

۷۔ انسانی مساوات | اسلام نہ صرف یہ کہ کسی امتیاز رنگ و نسل کے بغیر تمام انسانوں کے درمیان مساوات کو تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے ایک اہم اصولی حقیقت قرار دیتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۔ "اے انسانو ہم نے تم کو ایک ماں اور ایک باپ سے پیدا کیا"۔ بالفاظِ دیگر اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام انسان اصل میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک ہی ماں اور ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ "اور ہم نے تم کو قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو"۔ یعنی قوموں اور قبیلوں میں یہ تقسیم تعارف کے لیے ہے۔ اس لیے ہے کہ ایک قبیلے یا ایک قوم کے لوگ آپس میں ایک دوسرے سے واقف ہوں اور باہم تعاون کر سکیں۔ اس لیے نہیں ہے کہ ایک قوم دوسری قوم پر فخر جتلائے اور اس کے ساتھ تکبر سے پیش آئے، اس کو ذلیل سمجھے اور اس کے حقوق پر ڈاکے مارے۔ "درحقیقت تم میں سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ خدا ترس ہے"۔ یعنی انسان پر انسان کی فضیلت صرف اخلاق اور پاکیزہ کردار کی بنا پر ہے، نہ کہ رنگ و نسل، زبان یا وطن کی بنا پر۔ اور یہ فضیلت بھی اس غرض کے لیے نہیں ہے کہ پاکیزہ اخلاق کے انسان دوسرے انسانوں پر اپنی بڑائی جتائیں۔ کیونکہ بڑائی جتانا بجائے خود ایک برائی ہے جس کا ارتکاب کوئی خدا ترس اور پرہیزگار آدمی نہیں کر سکتا، اور یہ اس غرض کے لیے بھی نہیں ہے کہ نیک آدمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے حقوق بُرے آدمیوں کے حقوق پر فائق ہوں، یا اُس کے حقوق اُن سے زیادہ ہوں، کیونکہ یہ انسانی مساوات کے خلاف ہے جس کو اس آیت کی ابتدا میں اصول کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یہ فضیلت دراصل اس وجہ سے ہے کہ نیکی اخلاقی حیثیت سے بُرائی کے مقابلے میں بہرحال افضل ہے۔ اِسی مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے۔ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰی عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰی عَرَبِيٍّ، وَلَا لِاَحْمَرَ عَلَی الْاَسْوَدِ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلَی الْاَحْمَرِ۔ کُلُّکُمْ اَبْنَآءُ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔ "کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، نہ عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے۔ نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔" اس طرح اسلام نے تمام نوعِ انسانی میں مساوات قائم کی اور رنگ، نسل، زبان اور قومیت کی بنا پر سارے امتیازات کی جڑ کاٹ دی۔ اسلام کے نزدیک یہ حق انسان کو انسان ہونے کی حیثیت سے حاصل ہے کہ اس کے ساتھ اس کی کھال کے رنگ، یا اس کی پیدائش کی جگہ یا اس کو جنم دینے والی نسل و قوم کی بنا پر کوئی امتیاز نہ برتا جائے، اسے دوسروں کی بہ نسبت حقیر نہ ٹھیرایا جائے، اور اس کے حقوق دوسروں سے کم تر نہ رکھے جائیں۔ امریکہ کے افریقی النسل لوگوں کا مشہور لیڈر میلکم اکس، جو سیاہ نسل کے باشندوں کی حمایت میں سفید نسل والوں کے خلاف مدتوں شدید کشمکش کرتا رہا تھا، مسلمان ہونے کے بعد جب حج کے لیے گیا اور وہاں اس نے دیکھا کہ ایشیا، افریقہ، یورپ، امریکہ غرض ہر جگہ کے اور ہر رنگ و نسل کے مسلمان ایک ہی لباس میں ایک خدا کے گھر کی طرف چلے جا رہے ہیں، ایک ہی گھر کا طواف کر رہے ہیں، ایک ہی ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں اور ان میں کسی قسم کا امتیاز نہیں ہے، تو وہ پکار اُٹھا کہ یہ ہے نسل اور رنگ کے مسئلے کا حل، نہ کہ وہ جو ہم امریکہ میں اب تک کرتے رہے ہیں۔ آج خود غیر مسلم مُفکِّرین بھی، جو اندھے تعصب میں مبتلا نہیں ہیں، یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس مسئلے کو جس کامیابی کے ساتھ اسلام نے حل کیا ہے کوئی دوسرا مذہب و مسلک نہیں کر سکا ہے۔

۸۔ نیکی میں ہر ایک سے تعاون اور بدی میں کسی سے تعاون نہیں

اسلام نے ایک بڑا اہم قاعدۂ کُلیہ یہ پیش کیا ہے کہ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ "نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون کرو۔ بدی اور گناہ کے معاملے میں تعاون نہ کرو۔" اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص بھلائی اور خدا ترسی کا کام کرے، قطعِ نظر اس سے کہ وہ قطبِ شمالی کا رہنے والا ہو یا قطبِ جنوبی کا، وہ یہ حق رکھتا ہے کہ ہم اس سے تعاون کریں اور بجا طور پر یہ توقع رکھ سکتا ہے کہ ہم اُس سے تعاون کریں گے۔ اس کے برعکس جو شخص بدی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادتی کا کام کرے، خواہ وہ ہمارا قریب ترین ہمسایہ یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اس کا نہ یہ حق ہے کہ نسل و وطن یا زبان و قومیت کے نام پر وہ ہمارا تعاون طلب کرے، نہ اُسے ہم سے یہ اُمید رکھنی چاہیے کہ ہم اُس سے تعاون کریں گے، نہ ہمارے لیے یہ جائز ہے کہ ایسے کسی کام میں اُس کے ساتھ تعاون کریں۔ بدکار ہمارا بھائی ہی کیوں نہ ہو ہمارا اور اُس کا کوئی ساتھ نہیں ہے۔ نیک کام کرنے والا خواہ ہم سے کوئی رشتہ نہ رکھتا ہو، ہم اُس کے ساتھی اور مددگار ہیں، یا کم از کم خیر خواہ تو ضرور ہی ہیں۔

برسرِ جنگ دشمنوں کے حقوق

بین الاقوامی "قانون" کی حیثیت اب قبل اس کے کہ میں اسلامی ریاست کے شہریوں کے حقوق بیان کروں میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ دشمنوں کے کیا حقوق اسلام نے بتائے ہیں۔ جنگ کی تہذیب کے تصور سے دنیا قطعاً ناآشنا تھی۔ مغربی دنیا اِس تصور سے پہلی مرتبہ سترھویں صدی کے مفکّر گروشیوس (GROTIUS) کے ذریعے سے آشنا ہوئی۔ مگر عملی طور پر بین الاقوامی قوانینِ جنگ کی تدوین انیسویں صدی کے وسط میں شروع ہوئی۔ اس سے پہلے جنگ کی تہذیب کا کوئی تصور اہلِ مغرب کے ہاں نہیں پایا جاتا تھا۔ جنگ میں ہر طرح کے ظلم و ستم کیے جاتے تھے اور کسی قسم کے حقوق برسرِ جنگ قوم کے نہیں مانے جاتے تھے۔ انیسویں صدی میں اور اس کے بعد سے اب تک جو قوانین بھی بنائے گئے ہیں ان کی اصل نوعیت قانون کی نہیں بلکہ مُعاہدات کی سی ہے اور ان کو بین الاقوامی قانون کہنا درحقیقت لفظِ "قانون" کا بیجا استعمال ہے، کیونکہ کوئی قوم بھی جنگ میں اس کو اپنے لیے واجب العمل نہیں سمجھتی، اِلّا یہ کہ فریقِ ثانی بھی اُس کی پابندی کرے۔ بالفاظِ دیگر جنگ کے ان مہذب قوانین میں یہ مفروضہ کام کر رہا ہے کہ اگر ہمارا حریف ان کا احترام کرے گا تو ہم بھی کریں گے اور اگر وہ جنگ کے وحشیانہ طریقوں پر اُتر آئے گا تو ہم بھی بے دریغ وہی طریقے استعمال کریں گے۔ ظاہر ہے کہ اس چیز کا نام قانون نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جنگ میں ان نام نہاد بین الاقوامی قواعد و ضوابط کے پُرزے اُڑائے گئے اور ہر مرتبہ اِن پر نظرِ ثانی اور اِن میں کمی و بیشی ہوتی رہی ہے۔

اسلامی قانونِ جنگ و صلح کی حیثیت اسلام نے اس کے برعکس جنگ کی جو تہذیب قائم کی ہے اس کی صحیح حیثیت قانون کی ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کے لیے اللہ اور رسول کے دیے ہوئے احکام ہیں جن کی پابندی ہم ہر حال میں کریں گے خواہ ہمارا دشمن کچھ ہی کرتا رہے۔ اب یہ دیکھنا صاحبِ علم کا کام ہے کہ جو قانونِ جنگ ۱۳ سو برس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے مقرر کیا گیا تھا، مغرب نے اس کی خوشہ چینی کی ہے یا نہیں، اور خوشہ چینی کر کے بھی وہ تہذیبِ جنگ کے اس مقام تک پہنچ سکا ہے یا نہیں جس پر اسلام نے ہمیں پہنچایا تھا۔ اہلِ مغرب بسا اوقات یہ دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ یہود و نصاریٰ سے لے لیا ہے۔ اس لیے بائبل کو بھی پڑھ ڈالیے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ ان مدعیانِ تہذیب کی کتابِ مقدس جنگ کے کن طریقوں کی ہدایت دیتی ہے[1]

ابتدا ہی میں یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ اسلام میں انسان بحیثیت انسان کے جو حقوق بیان کیے گئے ہیں ان کا اعادہ کرنے کی اب ضرورت نہیں ہے۔ ان کو ذہن میں رکھتے ہوئے دیکھیے کہ دشمن انسان کے کیا حقوق اسلام میں مقرر کیے گئے ہیں۔

غیر مُقاتلین کے حقوق

اسلام میں سب سے پہلے دشمن ملک کی مُقاتل (COMBATANT) اور غیر مقاتل (NON-COMBATANT) آبادی کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ جہاں تک غیر مقاتل آبادی کا تعلق ہے (یعنی جو لڑنے والی نہیں ہے یا لڑنے کے قابل نہیں ہے، مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، اندھے، اپاہج وغیرہ) اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات یہ ہیں:۔

جو لڑنے والے نہیں ہیں ان کو قتل نہ کیا جائے

لَا تَقْتُلُوْا شَیْخاً فَانِیاً وَلا طفلاً صغیراً ولا امرأۃً "کسی بوڑھے، کسی بچے اور کسی عورت کو قتل نہ کرو۔"

لا تقتلوا اصحاب الصوامع "خانقاہ نشین راہبوں کو قتل نہ کرو" یا عبادت گاہوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو نہ مارو۔"

جنگ میں ایک موقع پر حضورؐ نے ایک عورت کی لاش دیکھی تو فرمایا "یہ تو نہیں لڑ رہی تھی"۔ اس سے فقہائے اسلام نے یہ اصول اخذ کیا کہ جو لوگ غیر مقاتل ہوں ان کو قتل نہ کیا جائے۔

مُقاتلین کے حقوق

اس کے بعد دیکھیے کہ لڑنے والوں کو کیا حقوق اسلام نے دیے ہیں۔

۱۔ آگ کا عذاب نہ دیا جائے

حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ لا ینبغی ان یعذب بالنار الا رب النار۔ "آگ کا عذاب آگ کے رب کے سوا کسی کو زیب نہیں دیتا"۔ اس سے یہ حکم نکلا کہ دشمن کو زندہ نہ جلایا جائے۔

---

[1] اس غرض کے لیے بائبل کی کتاب خروج (EXODUS) باب ۳۴۔ کتاب گنتی (NUMBERS) باب ۳۱۔ کتاب استثناء (DEUTERONOMY) ابواب ۲، ۷، ۲۰۔ اور کتاب یشوع (JOSHUA) ابواب ۶، ۸ کو پڑھ لینا کافی ہے۔

© rasailojaraid.com

۲۔ زخمی پر حملہ نہ کیا جائے لا تجهزنّ على جريح ۔ "کسی زخمی پر حملہ نہ کرو"۔ مراد ہے وہ زخمی جو لڑنے کے قابل نہ رہا ہو نہ عملاً لڑ رہا ہو۔

۳۔ قیدی کو قتل نہ کیا جائے لا يقتلنّ اسيرٌ ۔ "کسی قیدی کو نہ قتل کیا جائے"۔

۴۔ باندھ کر قتل نہ کیا جائے نهى النبيّ صلى الله عليه وسلم عن قتل الصبر۔ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھ کر قتل کرنے یا قید کی حالت میں قتل کرنے سے منع فرمایا"۔ حضرت ابوایوب انصاری، جنہوں نے یہ روایت حضورؐ سے نقل کی ہے، فرماتے ہیں کہ "جس خدا کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں کسی مرغ کو بھی باندھ کر ذبح نہ کروں گا"۔

۵۔ غنیم کے ملک میں عام غارت گری یا لوٹ مار نہ کی جائے یہ ہدایت بھی کی گئی کہ غنیم کے ملک میں داخل ہو تو عام تباہی نہ پھیلاؤ، بستیوں کو ویران نہ کرو، سوائے اُن لوگوں کے جو تم سے لڑتے ہیں اور کسی شخص کے مال پر ہاتھ نہ ڈالو۔ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن النهبى ۔ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لُوٹ مار سے منع فرمایا"۔ اور آپ کا ارشاد تھا کہ إنّ النهبى ليست بأحلّ من الميتة۔ "لوٹ کا مال مردار سے زیادہ حلال نہیں ہے"۔ یعنی وہ بھی مردار کی طرح حرام ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوجوں کو روانہ کرتے وقت ہدایت فرماتے تھے کہ بستیوں کو ویران نہ کرنا، کھیتیوں اور باغوں کو برباد نہ کرنا، مویشیوں کو ہلاک نہ کرنا"۔ (مالِ غنیمت کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اس سے مراد وہ مال ہے جو غنیم کے لشکروں اس کے فوجی کیمپوں اور اس کی چھاؤنیوں میں ملے۔ اس کو ضرور اسلامی فوجیں اپنے قبضے میں لیں گی۔ لیکن عام لُوٹ مار وہ نہیں کرسکتیں)۔

۶۔ مفتوح علاقے کے لوگوں سے کوئی چیز مُفت یا بلا اجازت نہ لی جائے اس بات سے بھی منع کر دیا گیا کہ عام آبادی کی کسی چیز سے معاوضہ ادا کیے بغیر فائدہ اُٹھایا جائے۔ دورانِ جنگ میں اگر دشمن کے کسی علاقے پر قبضہ کر کے مسلمانوں کی فوج وہاں مقیم ہو تو اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ لوگوں کی چیزوں کا بے دریغ استعمال کرے۔ اگر اس کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے خرید کر لینا چاہیے، یا مالکوں کی اجازت لے کر اس کو استعمال کرنا چاہیے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ فوجوں کو روانہ کرتے وقت یہاں تک فرماتے تھے کہ دُودھ دینے والے جانوروں کا دُودھ بھی تم نہیں پی سکتے جب تک کہ ان کے مالکوں سے اجازت نہ لے لو۔

۷۔ دشمن کی لاشوں پر غصہ نہ نکالا جائے اسلام میں قطعی طور پر اس بات کو بھی منع کیا گیا ہے کہ دشمن کی لاشوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تذلیل کی جائے یا ان کا مُثلہ کیا جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ نھیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المثلۃ۔ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی لاشوں کا مثلہ (یعنی ان کی قطع و برید) کرنے سے منع فرمایا"۔ یہ حکم جس موقع پر دیا گیا وہ بھی نہایت سبق آموز ہے۔ جنگِ احد میں جو مسلمان شہید ہوئے تھے، دشمنوں نے ان کی ناک کاٹ کر ان کے ہار بنائے اور گلوں میں پہنے۔ حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کا پیٹ چیر کر ان کا کلیجہ نکالا گیا اور اسے چبانے کی کوشش کی گئی۔ اس وقت مسلمانوں کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ مگر حضورؐ نے فرمایا کہ تم غنیم کے مقتولوں کے ساتھ یہ سلوک نہ کرنا۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ دین فی الحقیقت خداوند عالم ہی کا بھیجا ہوا دین ہے۔ اس میں انسانی جذبات کا اگر دخل ہوتا تو جنگِ احد میں یہ منظر دیکھ کر حکم دیا جاتا کہ تم بھی غنیم کے مقتولوں کا اسی طرح مُثلہ کرو۔

۸۔ دشمن کی لاشیں اس کے حوالے کرنا | جنگ احزاب میں دشمن کا ایک بڑا مشہور شہسوار مر کر خندق میں گر گیا۔ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دس ہزار دینار پیش کیے کہ اس کی لاش ہمیں دے دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں مُردے بیچنے والا نہیں ہوں، تم لے جاؤ اپنی لاش۔

۹۔ بدعہدی کی سخت ممانعت | اسلام میں بدعہدی کی بھی سختی سے ممانعت کر دی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجوں کو بھیجتے وقت جو ہدایات دیتے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ لَا تَغْدِرُوْا "بدعہدی نہ کرنا"۔ قرآن مجید اور احادیث میں اس حکم کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے کہ دشمن اگر عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرتا ہے تو کرے، لیکن تم کو اپنے عہد و پیمان کی خلاف ورزی کبھی نہ کرنی چاہیے۔ صلح حدیبیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ صلح نامہ طے ہو جانے کے بعد ایک مسلمان نوجوان ابو جندلؓ، جن کا باپ صلح نامے کی شرائط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طے کر رہا تھا، بیڑیوں میں بھاگتے ہوئے آئے اور انہوں نے کہا مسلمانو مجھے بچاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اب معاہدہ ہو چکا ہے۔ اب ہم تمہاری مدد نہیں کر سکتے، تم واپس جاؤ۔ اللہ تمہارے لیے کوئی راستہ کھولے گا۔ ان کی حالت زار کو دیکھ کر مسلمانوں کی پوری فوج رو پڑی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرما دیا کہ عہد کی خلاف ورزی ہم نہیں کر سکتے تو ان کو بچانے کے لیے ایک ہاتھ بھی آگے نہ بڑھا اور کفار ان کو زبردستی گھسیٹ کر لے گئے۔ یہ عہد و پیمان کی پابندی کی بے نظیر مثال ہے اور اسلامی تاریخ میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

۱۰۔ جنگ سے پہلے اعلانِ جنگ کا حکم | قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَانۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ ۔ "اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت (یعنی عہد شکنی) کا خطرہ ہو تو اس کا عہد علانیہ اس کے منہ پر مار دو۔" اس آیت میں اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ اعلانِ جنگ کے بغیر دشمن کے خلاف جنگ چھیڑ دی جائے، اِلّا یہ کہ دوسرا فریق جارحانہ کارروائیوں کی ابتدا کر چکا ہو۔ اگر دوسرے فریق نے اعلان کے بغیر جارحانہ کارروائیوں کی ابتدا کر دی ہو تو پھر ہم بلا اعلان اس کے خلاف جنگ کر سکتے ہیں۔ ورنہ قرآن مجید ہمیں یہ حکم دے رہا ہے کہ علانیہ اس کو بتا دو کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی عہد باقی نہیں رہا ہے اور اب ہم اور تم برسرِ جنگ ہیں۔ اگرچہ موجودہ بین الاقوامی قانون کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اعلانِ جنگ کے بغیر جنگ نہ کی جائے۔ لیکن اس بیسویں صدی میں بھی تمام بڑی بڑی لڑائیاں بلا اعلانِ جنگ شروع ہوئی ہیں۔ وہ اُن کا اپنا بنایا ہوا قانون ہے، اس لیے وہ اپنے ہی قانون کو توڑنے کے مجاز ہیں۔ مگر ہمارے لیے یہ خدا کا دیا ہوا قانون ہے ہم اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔

اسلامی ریاست میں شہریوں کے حقوق

اب میں آپ کو شہریوں کے حقوق بتانا چاہتا ہوں۔ یہ حقوق اُن حقوق سے زائد ہیں جو ابھی تھوڑی دیر پہلے میں انسان بحیثیت انسان کے حقوق بیان کر چکا ہوں۔

۱۔ جان و مال کا تحفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو تقریر فرمائی تھی اس میں فرمایا تھا کہ تمہاری جانیں اور تمہارے مال ایک دوسرے پر قیامت تک کے لیے حرام ہیں (اِنَّ دِمَآءَكُمۡ وَاَمۡوَالَكُمۡ عَلَيۡكُمۡ حَرَامٌ اِلٰٓى اَنۡ تَلۡقَوۡا رَبَّكُمۡ)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا ۔ "جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اللہ نے اس پر لعنت فرمائی ہے اور اس کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمیوں کے متعلق بھی فرمایا کہ مَنۡ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمۡ يَرِحۡ رَائِحَةَ الۡجَنَّةِ ۔ "جس نے کسی مُعاہِد (یعنی ذمّی) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو تک نہ سونگھ سکے گا۔ قرآن قتلِ نفس کو حرام قرار دینے کے بعد اس میں صرف ایک استثنا رکھتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایسا قتل حق کے ساتھ ہو، یعنی ناحق نہ ہو بلکہ کوئی قانونی حق اس کا تقاضا کرتا ہو کہ آدمی کو قتل کیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ حق اور ناحق کا فیصلہ ایک عدالت ہی کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتی ہے، اور جنگ یا بغاوت کی صورت میں ایک عادل حکومت، یعنی شریعت کی پابند حکومت ہی یہ طے کر سکتی ہے کہ برحق جنگ کونسی ہے جس میں انسانی خون بہانا جائز ہو، اور قانونِ اسلام کی رو سے باغی کون قرار پاتا ہے جس پر تلوار اُٹھائی جائے، یا جس کو موت کی سزا دی جائے۔ یہ فیصلے نہ کسی ایسی عدالت پر چھوڑے جا سکتے ہیں جو خدا سے بے خوف انتظامیہ سے مرعوب و خوفزدہ ہو کر انصاف کا خون کرنے لگے، اور نہ کسی ایسی حکومت کے جرائم قرآن و حدیث کی سند پر جائز قرار پا سکتے ہیں جو بلا تکلف اپنے شہریوں کو صرف اس لیے خفیہ یا علانیہ قتل کرواتی ہو کہ وہ اس کی ناروا کارروائیوں سے اختلاف کرتے یا ان پر تنقید کرتے ہیں، اور اس کے اشارے پر قتل جیسے جرم عظیم کا ارتکاب کرنے والوں کو اُلٹا تحفظ بہم پہنچاتی ہو کہ اُن کے خلاف نہ پولیس کارروائی کرے نہ عدالت میں کوئی ثبوت اور شہادت پیش ہو سکے۔ ایسی حکومت کا تو وجود ہی ایک جرم ہے، کجا کہ اس کے حکم سے کسی انسان کے قتل پر قرآن کی اصطلاح "قتل بالحق" کا اطلاق ہو سکے۔

جان کے ساتھ مال کے تحفظ کا حق بھی اسلام نے پوری صراحت کے ساتھ دیا ہے، جیسا کہ ابھی میں حَجَّۃُ الوَدَاع کی تقریر کے حوالہ سے بیان کر چکا ہوں۔ بلکہ قرآن مجید تو خدا کے قانون کے سوا کسی اور طریقہ سے لوگوں کے مال لینے کو قطعی حرام قرار دیتا ہے۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ "اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھا جایا کرو۔"

۲۔ عزت کا تحفظ

دوسرا اہم حق ایک شہری کی عزت کا تحفظ ہے۔ حَجَّۃُ الوَدَاع کے جس خطبے کا میں ذکر کر چکا ہوں اس میں حضورؐ نے مسلمانوں کی صرف جان و مال ہی کو ایک دوسرے پر حرام قرار نہیں دیا تھا بلکہ ان کی عزت و آبرو (اَعْرَاضَكُمْ) کو بھی تاقیامت حرام ٹھیرایا تھا۔ قرآن مجید میں صاف حکم ہے کہ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ۔ "لوگ ایک دوسرے کا مذاق نہ اُڑائیں، ایک دوسرے کی تضحیک نہ کریں"۔ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ "اور تم آپس میں ایک دوسرے پر چوٹیں نہ کرو، پھبتیاں نہ کسو، الزام نہ دھرو، طعنے نہ دو، کھلم کھلا یا زیر لب یا اشاروں سے اس کی تذلیل نہ کرو"۔ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ۔ "ایک دوسرے کے بُرے نام نہ رکھو"۔ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا۔ "اور تم میں سے کوئی کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی بُرائی نہ کرے"۔ یہ ہے ہمارا قانون تحفظِ عزت اور یہ اہل مغرب کے قانون ہتک عزت (DEFAMATION) سے بدرجہا بہتر ہے۔ ہمارے قانون کی رُو سے اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے کسی شخص کی عزت پر حملہ کیا ہے تو قطعِ نظر اس سے کہ وہ مظلوم اپنے آپ کو عزت دار ثابت کرتا ہے یا نہیں، ظالم کو اس کی سزا بہرحال دی جائے گی۔ لیکن مغربی قانون کا کمال یہ ہے کہ ہتک عزت کا دعوےٰ کرنے والے کو پہلے یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ وہ عزت والا ہے اور اس بحث میں اُس غریب کی اُس سے زیادہ توہین و تذلیل ہو جاتی ہے جس کی فریاد لے کر وہ انصاف کا دروازہ کھٹکھٹانے گیا تھا۔ مزید برآں اسے چند ایسے گواہ بھی پیش کرنے پڑتے ہیں کہ ملزم کی توہین آمیز باتوں سے وہ واقعی اُنکی نگاہ میں ذلیل ہو گیا ہے۔ سبحان اللہ، کس غضب کی قانون دانی ہے یہ جسے خدا کے بنائے ہوئے قانون کے سامنے لایا جاتا ہے۔ اسلام تو بجائے خود کسی شخص کی توہین کو جرم قرار دیتا ہے خواہ وہ عزت والا ہو یا نہ ہو، اور خواہ توہین کرنے والے کی باتوں سے اس کی واقعی توہین ہوئی ہو یا نہیں۔ اسلامی قانون کی رو سے ملزم کے اِس فعل کا ثابت ہو جانا اُس کو مجرم قرار دینے کے لیے کافی ہے کہ اس نے ایسی بات کی ہے جو عقلِ عام (COMMON SENSE) کے لحاظ سے مستغیث کے لیے موجب توہین ہو سکتی ہے۔

۳۔ نجی زندگی کا تحفظ | اسلام اپنی مملکت کے ہر شہری کا یہ حق قرار دیتا ہے کہ اس کی نجی زندگی میں کوئی ناروا مداخلت نہ ہونے پائے۔ قرآن مجید کا حکم ہے کہ لَا تَجَسَّسُوْا۔ "ایک دوسرے کے حالات کا تجسس نہ کرو"۔ لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا۔ "لوگوں کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک تاکید کی کہ آدمی خود اپنے گھر میں بھی اچانک نہ داخل ہو بلکہ کسی نہ کسی طرح اہلِ خانہ کو خبردار کر دے کہ وہ اندر آ رہا ہے تاکہ ماں بہنوں، اور جوان بیٹیوں پر ایسی حالت میں نظر نہ پڑے جس میں نہ وہ اِسے پسند کر سکتی ہیں کہ انہیں دیکھا جائے، نہ خود وہ شخص یہ پسند کرتا ہے کہ انہیں دیکھے۔ دوسروں کے گھر میں جھانکنے کی کوشش کرنا بھی سخت ممنوع ہے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنے گھر میں جھانکتے ہوئے دیکھے اور اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ حضورؐ نے دوسرے کا خط تک اُس کی اجازت کے بغیر پڑھنے سے منع فرمایا ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی اپنا خط پڑھ رہا ہو اور دوسرا شخص جھانک کر اسے پڑھنے لگے تو یہ بھی سخت منع ہے۔ یہ ہے اسلام میں انسان کے تخلیے (PRIVACY) کا تقدس۔ اِدھر اس جدید تہذیب کے تحت ہماری دنیا کا حال یہ ہے کہ نہ صرف لوگوں کے خطوط پڑھے جاتے ہیں اور ان کو سنسر کیا جاتا ہے اور باقاعدہ ان کی فوٹوسٹیٹ کاپیاں بھی رکھ لی جاتی ہیں، بلکہ اب لوگوں کے گھروں میں ایسے آلات بھی لگائے جانے لگے ہیں جن کی مدد سے آپ دُور بیٹھے ہوئے یہ سُنتے رہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو اس کے گھر میں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اب تخلیہ کوئی چیز نہیں ہے اور آدمی کی نجی زندگی کا عملاً خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

اس تجسس کے لیے یہ کوئی اخلاقی جواز نہیں ہے کہ حکومت خطرناک آدمیوں کے رازوں سے واقف رہنا ضروری سمجھتی ہے۔ حالانکہ درحقیقت اس کی بنیاد وہ شک و شبہ ہے جس سے آج کل کی حکومتیں اپنے ہر اس شہری کو دیکھتی ہیں جس میں وہ کچھ ذہانت اور سرکاری پالیسیوں پر عدم اطمینان کی بُو سونگھ لیتی ہیں۔ یہی چیز ہے جس کو اسلام سیاست میں فساد کی جڑ قرار دیتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِنَّ الامیر اِذا ابتغی الرِّیبۃَ فِی الناس افسدَھُم۔ " حاکمِ وقت جب لوگوں کے اندر شبہات کے اسباب تلاش کرنے لگتا ہے تو ان کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔" امیر معاویہ کا بیان ہے کہ انہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ اِنَّکَ اِن اتَّبَعتَ عوراتِ الناس افسدتھم او کِدتَ اَن تفسدَھُم۔ " تم اگر لوگوں کے مخفی حالات معلوم کرنے کے درپے ہو گے تو انہیں بگاڑ دو گے، یا کم از کم بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے"۔ بگاڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگوں کے راز ٹٹولنے کے لیے جاسوس (سی آئی ڈی کے آدمی) ہر طرف پھیلا دیے جاتے ہیں تو لوگ خود ایک دوسرے کو شبہ کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں، حتیٰ کہ اپنے گھروں تک میں وہ کُھل کر بات کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ معلوم اپنے ہی بچوں کی زبان سے کوئی بات ایسی نکل جائے جو ہم پر آفت لے آئے۔ اس طرح اپنے گھر تک میں زبان کھولنا آدمی کے لیے مشکل ہو جاتا ہے اور معاشرے میں ایک عام بے اعتمادی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

۴۔ شخصی آزادی کا تحفظ | اسلام یہ اصول بھی طے کرتا ہے کہ کسی شخص کو اس کا جرم عدالت میں، اور وہ بھی کُھلی عدالت میں، ثابت کیے بغیر قید نہیں کیا جا سکتا۔ محض شبہ کی بنا پر پکڑنا، اور کسی عدالتی کارروائی کے بغیر اور صفائی کا موقع دیے بغیر قید کر دینا اسلام میں جائز نہیں ہے۔ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ خطبے کے دوران میں ایک شخص نے اُٹھ کر کہا "یا رسول اللہ میرے ہمسائے کس جرم میں پکڑے گئے ہیں؟" آپ نے سُنا اور خطبہ جاری رکھا۔ اس نے پھر اُٹھ کر یہی سوال کیا۔ آپ نے پھر خطبہ جاری رکھا۔ اس نے تیسری بار پھر اُٹھ کر یہی سوال کیا۔ تب آپ نے حکم دیا کہ اس کے ہمسایوں کو چھوڑ دو۔ دو مرتبہ سن کر خاموش رہنے کی وجہ یہ تھی کہ کوتوال مسجد میں موجود تھا۔ اگر شخصِ مذکور کے ہمسایوں کو گرفتار کرنے کی کوئی خاص وجہ ہوتی تو وہ اُٹھ کر اسے بیان کرتا۔ جب اس نے کوئی وجہ بیان نہ کی تو حضورؐ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے حکم دے دیا کہ جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا ہے انہیں چھوڑ دیا جائے۔ کوتوال اسلامی قانون سے واقف تھا۔ اس لیے اُس نے اُٹھ کر یہ نہیں کہا کہ "انتظامیہ اُن کے قصور سے واقف ہے اور عَلانیہ وہ قصور بیان نہیں کیا جا سکتا، حضورؐ تخلیہ میں دریافت فرمائیں تو عرض کر دیا جائے گا"۔ یہ بات اگر کوتوال زبان سے نکالتا تو اُسی وقت کھڑے کھڑے اُسے ملازمت سے برطرف کر دیا جاتا۔ عدالت کے لیے یہ بات بالکل کافی تھی کہ کوتوال نے گرفتاری کی کوئی وجہ کھلی عدالت میں پیش نہیں کی ہے، اس لیے فوراً رہائی کا حکم صادر کر دیا گیا۔ قرآن کا صاف حکم ہے کہ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ۔ "اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو"۔ اور حضورؐ کو خود یہ حکم تھا کہ أُمِرْتُ أَنْ أَعْدِلَ بَيْنَكُمْ۔ "اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں"۔ اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ لَا يُوسَرُ رَجُلٌ فِي الْإِسْلَامِ إِلَّا بِالْعَدْلِ۔ "اسلام میں کوئی شخص عدل کے بغیر قید نہیں کیا جا سکتا"۔ یہ الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ عدل سے مراد معقول عدالتی طریقہ کار (DUE PROCESS OF LAW) ہے، اور جس کی نفی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ کسی شخص کو ثبوتِ جرم اور عدالت میں صفائی کا موقع دیے بغیر پکڑ کر قید کر دیا جائے۔ اگر حکومت کسی پر یہ شبہ رکھتی ہو کہ اس نے کوئی جرم کیا ہے یا وہ کوئی جرم کرنے والا ہے تو اسے عدالت کے سامنے اپنے شبہ کے وجوہ بیان کرنے چاہییں، اور ملزم یا مشتبہ آدمی کو کھلی عدالت میں اپنی صفائی پیش کرنی چاہیے تاکہ عدالت یہ فیصلہ کر سکے کہ اُس شخص پر شبہ کی کوئی معقول بنیاد ہے یا نہیں اور معقول بنیاد ہے تو اس کو جرم سے باز رکھنے کے لیے کتنی مدت تک قید رکھنا چاہیے۔ یہ فیصلہ لازماً کھلی عدالت میں ہونا چاہیے نہ کہ بند کمرے میں (IN CAMERA)، تاکہ حکومت کا الزام اور ملزم کی صفائی اور عدالت کی کارروائی دیکھ کر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس کے ساتھ انصاف کیا جا رہا ہے، بے انصافی نہیں کی جا رہی ہے۔

اِس معاملہ میں اسلام کا طریقِ کار خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فیصلے سے معلوم ہوتا ہے۔ نہایت مشہور واقعہ ہے کہ فتح مکہ کے لیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیاری فرما رہے تھے تو ایک صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بَلْتَعَہ نے سردارانِ مکہ کے نام ایک خط لکھ کر انہیں اِس تیاری کی اطلاع دے دی، اور وہ خط ایک عورت کے ہاتھ مکے بھیج دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہو گیا۔ آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ جاؤ، فلاں مقام پر ایک عورت تم کو ملے گی۔ اُس کے پاس ایک خط ہے۔ وہ اس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل کر کے لے آؤ۔ چنانچہ وہ گئے اور جو مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا اُسی جگہ وہ عورت ملی۔ دونوں صاحبوں نے خط اس سے برآمد کر لیا اور لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا۔ اب دیکھیے کھلی ہوئی غداری کا مسئلہ تھا۔ جنگ کے زمانے میں دشمن کو اپنی فوج کے ایک اہم راز کی خبر دے دینا اور دشمنوں کو حملے کی خبر قبل از وقت بھیج دینا ایسا فعل تھا جس سے زیادہ خطرناک فعل کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اِس سے زیادہ بند کمرے میں سماعت کے لیے اور کونسا مقدمہ موزوں ہو سکتا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کی کھلی عدالت میں سینکڑوں حاضرین کے سامنے حضرت حاطِبؓ کو بلا کر ان سے باز پرس کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اسلام سے باغی نہیں ہوا ہوں۔ غدّاری کی نیت سے یہ کام میں نہیں کر بیٹھا ہوں۔ دراصل میرے بال بچے وہاں ہیں اور مکّے میں کوئی میرا قبیلہ نہیں ہے جو میرے بال بچوں کی حمایت کرے، اس لیے میں نے یہ خط لکھا تا کہ اہل مکہ میرا احسان مان کر میرے بال بچوں کے ساتھ زیادتی نہ کریں۔ حضرت عمرؓ اٹھ کر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجیے کہ اس غدّار کو قتل کر دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ اہلِ بدر میں سے ہیں۔ اور اِنہوں نے اپنے فعل کی جو وجہ بیان کی ہے وہ واقعہ کے مطابق ہے۔ حضورؐ کے اِس فیصلے پر غور کیجیے فعل صریح غدّاری کا تھا۔ مگر آپ دو باتوں کی وجہ سے حضرت حاطِب کو بَری کر دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا ماضی بتا رہا ہے کہ وہ اسلام کے غدّار نہیں ہو سکتے، کیونکہ انہوں نے جنگِ بدر جیسے نازک موقع پر اپنا سینہ خطرات کے آگے پیش کیا تھا۔ دوسرے یہ کہ مکّے میں ان کے بال بچے واقعی خطرے میں تھے، اس لیے اگر ان سے یہ کمزوری سرزد ہوئی ہے تو اس کی یہ سزا کافی ہے کہ سب کے سامنے ان کا راز کھل گیا اور اسلام کے وفاداروں کی نگاہ میں ان کی بے عزتی ہو گئی۔ قرآن مجید میں بھی حضرت حاطب کے اس واقعہ کا اللہ تعالےٰ نے ذکر کیا ہے، مگر زجر و توبیخ کے سوا ان کے لیے کوئی سزا تجویز نہیں کی گئی ہے۔

حضرت علیؓ کے زمانے میں خارجیوں کا طرزِ عمل جیسا کچھ تھا وہ تاریخ کے طالب علموں سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ وہ علانیہ آپ کو گالیاں دیتے تھے۔ قتل تک کر دینے کی آپ کو دھمکیاں دیتے تھے۔ مگر اِن باتوں پر جب کبھی انہیں پکڑا گیا آپ نے انہیں چھوڑ دیا، اور اپنی حکومت کے افسروں سے فرمایا کہ "جب تک وہ باغیانہ کارروائیاں نہیں کرتے محض زبانی مخالفت اور دھمکیاں ایسی چیز نہیں ہیں جن کی وجہ سے ان پر ہاتھ ڈالا جائے"۔ امام ابوحنیفہ امیر المومنین کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ما لم یعزموا علی الخروج فالامام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لَا یَتَعَرَّضُ لَھُمْ "جب تک وہ خروج (مسلح بغاوت) کا عزم نہیں کرتے خلیفۂ وقت ان سے تعرض نہ کرے گا"۔ ایک اور موقع پر حضرت علیؓ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ خارجیوں نے اپنا مخصوص نعرہ دورانِ خطبہ میں بلند کیا۔ آپ نے اس پر فرمایا لَنْ تَمْنَعُکُمْ مساجدَ اللہ اَن تذکروا فیھا اسمَ اللہ وَلَنْ نمنعکم الفَیْءَ مادامت اَیدیکم مَعَ اَیدینا ولن نقاتلکم حتّٰی تقاتلونا۔ "ہم تمہیں مسجدوں میں آکر اللہ کو یاد کرنے سے نہ روکیں گے اور حکومت کے مال میں سے تمہارا حق دینا بھی بند نہ کریں گے جب تک تمہارے ہاتھ ہمارے ہاتھوں کے ساتھ ہیں (یعنی جب تک تم دشمنانِ اسلام کے خلاف لڑنے میں ہمارا ساتھ دیتے ہو) اور ہم تم سے ہرگز جنگ نہ کریں گے جب تک تم ہم سے جنگ نہیں کرتے"۔ اب دیکھیے جس اپوزیشن سے حضرت علیؓ کو سابقہ درپیش تھا، ایک جمہوری نظام میں اُس سے زیادہ سخت اپوزیشن کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس کے مقابلے میں جو آزادی انہوں نے دے رکھی تھی کسی حکومت نے ایسی آزادی اپوزیشن کو نہیں دی۔ انہوں نے قتل کی دھمکیاں دینے والوں کو بھی نہ گرفتار کیا اور نہ کسی کو جیل بھیجا۔

۵۔ ظلم کے خلاف آواز اُٹھانے کا حق | اسلام کے دیے ہوئے حقوق میں سے ایک ظلم کے خلاف آواز اُٹھانے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لَا یُحِبُّ اللہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔ "اللہ کو بُرائی کے ساتھ آواز بلند کرنا پسند نہیں ہے سوائے اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو"۔ یعنی اللہ بُرائی پر زبان کھولنے کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ لیکن جس شخص پر ظلم کیا گیا ہو اس کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ علی الاعلان ظلم کے خلاف آواز اُٹھائے۔ یہ حق صرف افراد ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ آیت کے الفاظ عام ہیں۔ اس لیے اگر کوئی شخص نہیں بلکہ کوئی جماعت یا گروہ اقتدار پر غلبہ حاصل کر کے افراد، یا جماعتوں یا ملک کی پوری آبادی پر ظلم ڈھانے لگے تو اُن کے خلاف برسرِعام صدائے احتجاج بلند کرنا خدا کا دیا ہوا حق ہے، اور اس حق کو سلب کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ اب اگر کوئی اللہ کے دیے ہوئے اِس حق کو سلب کرتا ہے تو وہ اللہ کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔ دفعہ ۱۴۴ کا تعویذ اُسے دنیا میں چاہے بچا لے جائے، اللہ کی دوزخ سے بچانا اُس کی کرامتوں میں شامل نہیں ہے۔

۶۔ آزادیٔ اظہارِ رائے کا حق | مملکتِ اسلامیہ کے تمام شہریوں کو اسلام آزادی اظہارِ رائے کا حق اس شرط کے ساتھ دیتا ہے کہ وہ بھلائی پھیلانے کے لیے ہو نہ کہ بُرائی پھیلانے کے لیے۔ اظہارِ رائے کی آزادی کا یہ اسلامی تصور موجودہ مغربی تصور سے بدرجہا بلند ہے۔ بُرائی پھیلانے کی آزادی اسلام نہیں دیتا۔ تنقید کے

© rasailojaraid.com

نام سے دشنام طرازی کی بھی وہ اجازت نہیں دیتا ۔ البتہ اُس کے نزدیک بھلائی پھیلانے کے لیے اظہارِ رائے کا حق صرف حق ہی نہیں بلکہ مسلمان پر ایک فرض بھی ہے جسے روکنا خدائے ذوالجلال سے لڑائی مول لینا ہے۔

اور یہی معاملہ بُرائی سے منع کرنے کا بھی ہے ۔ بُرائی خواہ کوئی شخص کر رہا ہو یا کوئی گروہ ، خود اپنے ملک کی حکومت کر رہی ہو یا کسی دوسرے ملک کی ، اپنی قوم کر رہی ہو ، یا دنیا کی کوئی دوسری قوم ، مسلمان کا حق ہے اور یہ اس کا فرض بھی ہے کہ اسے ٹوکے ، اس سے روکے ، اور اس کے خلاف علی الاعلان اظہارِ ناراضی کر کے یہ بتائے کہ بھلائی کیا ہے جسے اُس فرد ، یا قوم ، یا حکومت کو اختیار کرنا چاہیے۔

قرآن مجید میں مومنوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ "وہ بھلائی کے لیے کہنے والے اور بُرائی سے روکنے والے ہوتے ہیں"۔ اس کے برعکس منافقوں کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ "وہ بُرائی کے لیے کہنے والے اور بھلائی سے روکنے والے ہوتے ہیں"۔ اہل ایمان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی حکومت کا مقصد وجود ہی یہ ہے اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ "ان کو اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے ، زکوٰۃ دیں گے ، بھلائی کا حکم دیں گے اور بُرائی سے منع کریں گے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص بُرائی کو دیکھے تو ہاتھ سے روکے ، اگر ہاتھ سے نہیں روک سکتا تو زبان سے روکے ، اگر زبان سے بھی نہیں روک سکتا تو دل سے روکے (یعنی کم از کم دل سے اسے بُرا سمجھے) اور یہ آخری درجہ ہے ایمان کا ۔ اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے ۔ یہ ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی حیثیت ۔ اگر کوئی حکومت لوگوں سے یہ حق چھینتی ہے اور انہیں یہ فرض ادا کرنے نہیں دیتی تو وہ براہِ راست خدا کے حکم سے ٹکرا رہی ہے۔ اس کا تصادم ہم سے نہیں ہے ، اس کا تصادم خدا سے ہے ، وہ خدا کے مقابلے میں برسرِ جنگ ہے اور اُس حق کو چھین رہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے صرف حق ہی نہیں ، فرض قرار دیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے ۔ رہی وہ حکومت جو بُرائیوں کو پھیلاتی اور پھیلنے دیتی ہے ، اور بھلائی کی طرف دعوت دینے والوں کی مزاحمت کرتی ہے ، تو وہ از روئے قرآن منافقوں کی حکومت ہے۔

۷۔ آزادیٔ اجتماع کا حق اجتماع اور جماعت سازی کا حق بھی اسلام نے لوگوں کو دیا ہے مگر وہ بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ بھلائی پھیلانے کے لیے ہو ، بُرائی پھیلانے کے لیے نہ ہو ۔ اس نوعیت کے اجتماع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس قسم کی جماعت سازی کا صرف حق ہی نہیں بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ۔ "تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں (کی اصلاح) کے لیے نکالا گیا ہے۔ تم نیکی کے لیے کہتے ہو اور بُرائیوں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔" یعنی پوری کی پوری مسلمان اُمت ہی کا یہ کام ہے کہ وہ بھلائی کے لیے لوگوں سے کہے اور بُرائی سے روکے۔ لیکن اگر سب مسلمان ایسے نہ ہوں تو کم از کم وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ۔ "تم میں ایک گروہ تو ایسا ہونا ہی چاہیے جو نیکی کی طرف بُلائے، بھلائی کے لیے کہے اور بدی سے روکے۔ اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان قوم اگر مجموعی طور پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضے سے غافل بھی ہو جائے تو ان میں ایسے ایک گروہ کا موجود رہنا ضروری ہے جو بھلائی پھیلانے، بُرائی سے روکنے اور خیر کی طرف دعوت دینے کی خدمت انجام دے۔ یہ حق ہی نہیں، فرض ہے جس کے ادا کرنے پر فلاح کا انحصار ہے۔ لیکن خدا کے دین کے ساتھ یہ عجیب مذاق ہے کہ مسلمانوں کے ملک میں بُرائی پھیلانے کے لیے جو اجتماع اور جماعت سازی ہو وہ تو حکومت کرنے کا حق رکھے اور بھلائی پھیلانے کے لیے جو جماعت سازی ہو وہ ہر وقت خطرے میں مبتلا رہے کہ نہ معلوم کب اُس پر ہاتھ ڈال دیا جائے۔ یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور یہ ریاست اسلامی ہے۔ لیکن ہو رہا ہے امر بالمنکر اور نہی عن المعروف۔ اور جینا دشوار کیا جا رہا ہے اُن لوگوں کے لیے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

۸۔ ضمیر و اعتقاد کی آزادی کا حق اسلام اپنے معاشرے اور اپنی مملکت میں لوگوں کو ضمیر و اعتقاد کی آزادی کا حق بھی دیتا ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ لَاۤ اِكۡرَاهَ فِی الدِّیۡنِ۔ "دین میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔" اگرچہ دینِ حق سے بڑی کوئی نیکی نہیں ہے اور مسلمان اس کی طرف دعوت ضرور دیں گے اور اس کی حقانیت دلائل سے ثابت بھی کریں گے، مگر یہ نیکی لوگوں پر زبردستی مسلط نہیں کی جائے گی۔ جو شخص اس کو مانے تو اپنی مرضی سے مانے۔ ہم اسے سینے سے لگائیں گے اور اپنے معاشرے میں بالکل مساویانہ حقوق کے ساتھ شامل کر لیں گے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کو نہ مانے تو ہم اس کا یہ حق بھی تسلیم کریں گے کہ وہ اس کو نہ مانے۔ کوئی جبر اس پر نہیں کیا جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹- مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق | آزادی اعتقاد و آزادی ضمیر کے ساتھ اسلام نے لوگوں کو یہ حق بھی دیا ہے کہ ان کی مذہبی دلآزاری نہ کی جائے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ "جن معبودوں کو یہ مشرکین اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو گالیاں نہ دو"۔ یہ معاملہ صرف بتوں اور معبودوں ہی کی حد تک خاص نہیں ہے، بلکہ کسی قوم کے بزرگوں اور پیشواؤں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ایک گروہ اگر آپ کے نزدیک برا عقیدہ رکھتا ہے، اور اُن لوگوں کو اپنا بزرگ مانتا ہے جو آپ کے نزدیک بزرگی کے مستحق نہیں ہیں، تو آپ ان کو گالیاں دینے لگیں اور اپنی اِس بیہودہ حرکت سے اُن کے ماننے والوں کا دل دُکھائیں۔ مذہبی مسائل میں بحث مباحثہ کرنے سے اسلام نہیں روکتا۔ مگر وہ چاہتا ہے کہ یہ تہذیب و شائستگی کے ساتھ ہو۔ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ "اہل کتاب سے مباحثہ نہ کرو مگر احسن طریق سے"۔ یہ حکم صرف اہل کتاب ہی کے لیے نہیں ہے، بلکہ سب اہل مذاہب کے لیے ہے۔

۱۰- یہ حق کہ ایک کے قصور میں دوسرا نہ پکڑا جائے | اسلام انسان کا یہ حق بھی قرار دیتا ہے کہ وہ دوسروں کے قصور میں نہ دھر لیا جائے۔ قرآن مجید میں یہ عام اصول بیان کیا گیا ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ "کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھاتا"۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے۔ دوسرے کسی شخص کا اگر اس کے فعل میں کوئی حصہ نہیں ہے تو اس کی ذمہ داری میں وہ نہیں پکڑا جا سکتا۔ افسوس کہ اِس صریح منصفانہ اور معقول قاعدے کو بھی، جو کسی انسان کا گھڑا ہوا نہیں بلکہ رب کائنات کا مقرر کردہ ہے، ہم پامال ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ قصوروار ایک شخص ہے اور پکڑی جا رہی ہے اس کی بیوی۔ نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ کراچی میں ایک شخص پر شبہہ کیا گیا کہ وہ ایک بم کیس میں ملوّث ہے۔ تفتیش کے لیے اسے پکڑ کر سخت اذیتیں دی گئیں کہ وہ اس جرم کا اعتراف کرے۔ جب اس نے کہا کہ میں بالکل بے قصور ہوں تو اس کی ماں اس کی بیوی اس کی بیٹی اس کی بہن سب کو پکڑ لایا گیا، اُس کے سامنے اُن کو اور اُن کے سامنے اُس شخص کو برہنہ کیا گیا تاکہ وہ اعتراف جرم کرے۔ گویا اب تفتیش جرائم کے لیے یہ بھی جائز ہو گیا کہ مشتبہ شخص پر دباؤ ڈالنے کے لیے اس کے گھر کی بے قصور خواتین کو ننگا کیا جائے۔ یہ سخت شرمناک ہے۔ کمینہ پن کی انتہا ہے۔ میں یہ ہوائی بات نہیں کر رہا ہوں بلکہ مجھے اس واقعہ کا علم ہے اور میں اسے ثابت کر سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسے ظالموں کو کیا حق ہے کہ وہ کہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور ہم اسلام کے مطابق حکمرانی کر رہے ہیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہماری ریاست اسلامی ہے۔ قرآن کے ایک صریح قاعدے کو توڑ رہے ہو، مردوں اور عورتوں کو برہنہ کرتے ہو جو اسلام میں قطعی حرام ہے، انسانیت کی مٹی پلید کرتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

۱۱۔ ہر حاجت مند کا یہ حق ہے کہ اس کی مدد کی جائے اسلام میں حاجت مند لوگوں کا یہ حق قرار دیا گیا ہے کہ اُن کی دستگیری کی جائے۔ وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ”مسلمانوں کے مال میں حق ہے ہر اُس شخص کا جو مدد مانگے اور ہر اُس شخص کا جو محروم ہو“۔ اِس آیت میں صرف مدد مانگنے والے ہی کا حق مسلمان کے مال میں قرار نہیں دیا گیا ہے بلکہ یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ اگر تمہارے علم میں یہ بات آئے کہ فلاں شخص اپنی ضروریاتِ زندگی سے محروم رہ گیا ہے تو قطع نظر اس سے کہ وہ مانگے یا نہ مانگے، تمہارا کام یہ ہے کہ خود اس تک پہنچو اور اس کی مدد کرو۔ اس غرض کے لیے صرف رضاکارانہ انفاق فی سبیل اللہ پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے بلکہ زکوٰۃ بھی فرض کر دی گئی ہے اور اس کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَآئِھِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَآئِھِمْ۔ ”وہ مسلمانوں کے مال داروں سے لی جاتی ہے اور ان کے غریبوں پر صرف کی جاتی ہے“۔ اس کے ساتھ اسلامی حکومت کی بھی یہ ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ جس کا کوئی دستگیر نہ ہو اس کی دستگیری وہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اَلسُّلْطَانُ وَلِیُّ مَنْ لَّا وَلِیَّ لَہٗ ”حکمران اُس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو“۔ یہ ولی کا لفظ بہت وسیع معنی رکھتا ہے۔ کوئی یتیم، کوئی بوڑھا، کوئی اپاہج، کوئی بیروزگار، کوئی مریض اگر اس حالت میں ہو کہ دنیا میں اس کا کوئی سہارا نہ ہو، تو حکومت کو اس کے لیے سہارا بننا چاہیے۔ اگر کوئی میت ایسی ہو جس کا کوئی ولی و وارث نہ ہو تو اُس کا جنازہ اُٹھانا اور اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا حکومت کے ذمّے ہے۔ غرض، یہ دراصل ایک ولایتِ عامّہ ہے جس کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔

۱۲۔ قانون کی نگاہ میں مساوات کا حق اسلام اپنی مملکت کے تمام شہریوں کو قانون کی نگاہ میں مساوات کا حق دیتا ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، ان کے بارے میں تو قرآن اور حدیث میں یہ صاف وضاحت ہے کہ اپنے حقوق اور واجبات میں وہ سب برابر ہیں۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ”مومن تو آپس میں بھائی ہیں“۔ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ ”اگر (غیر مسلم) کفر سے توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں“۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَکَافَأُ دِمَآؤُھُمْ ”مسلمانوں کے خون برابر کی قدر و قیمت رکھتے ہیں“۔ دوسری حدیث میں ہے ذِمَّۃُ الْمُسْلِمِیْنَ وَاحِدَۃٌ یَّسْعٰی بِھَا اَدْنَاھُمْ ”سب مسلمانوں کا ذمہ ایک ہی ہے۔ ان کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک ادنیٰ شخص بھی کسی کو پناہ یا امان دے سکتا ہے۔" ایک اور مفصّل حدیث میں حضوؐر فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت مان لیں، اور ہر قسم کے تعصبات چھوڑ کر ملّتِ اسلام میں شامل ہو جائیں، ان کے حقوق وہی ہیں جو مسلمانوں کے حقوق ہیں اور ان کے فرائض بھی وہی ہیں جو مسلمانوں کے فرائض ہیں (لَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِيْنَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ) - یہ دینی بھائی چارہ، اور حقوق و فرائض کی یکسانی اسلامی معاشرے میں مساوات کی بنیاد ہے اور اس میں کسی کے حقوق و فرائض کسی دوسرے کے حقوق و فرائض سے کسی معنی میں بھی کم یا زیادہ نہیں ہیں۔ رہے اسلامی حکومت کے غیر مسلم شہری، تو ان کے بارے میں اسلامی شریعت کا قاعدہ خلیفۂ برحق حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ" انہوں نے ہمارا ذمہ قبول ہی اس لیے کیا ہے کہ ان کے خون ہمارے خون کی طرح اور ان کے مال ہمارے مال کی طرح ہو جائیں۔ (لِتَكُوْنَ اَمْوَالُهُمْ كَاَمْوَالِنَا وَدِمَآءُهُمْ كَدِمَاءِنَا) - بالفاظِ دیگر ان کی جان و مال کی حرمت بھی اسلامی مملکت میں ویسی ہی ہے جیسی مسلمان کی جان و مال کی حرمت ہے۔ قرآن مجید فرعون کے بدترین جرائم میں اس جرم کو بھی شمار کرتا ہے کہ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا - "اس نے ملک کے باشندوں کو الگ الگ طبقوں میں بانٹ دیا تھا" - اور يَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ - "وہ ان میں سے ایک گروہ کو دبا کر رکھتا تھا۔"

۱۳ - حاکموں کا قانون سے بالاتر نہ ہونا | اسلام صریح طور پر یہ تقاضا کرتا ہے چھوٹے سے لے کر بڑے تک تمام حکام، حتیٰ کہ صدرِ مملکت بھی قانون کی نگاہ میں عام شہریوں کی طرح ہوں، کوئی قانون سے بالاتر نہ ہو اور کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے مقابلے میں بھی ایک عام شہری اپنے حق کا دعویٰ لے کر اٹھ سکے، حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ" میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات سے بدلہ دیتے دیکھا ہے۔" جنگِ بدر کا واقعہ ہے کہ حضوؐر اسلامی فوج کی صفیں سیدھی کرا رہے تھے۔ ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ اتفاق سے آگے بڑھے ہوئے ایک سپاہی کو پیچھے ہٹاتے ہوئے آپ کی لکڑی اس کے پیٹ میں چُبھ گئی۔ اس نے کہا کہ آپ نے مجھے تکلیف دی۔ آپ نے فوراً اپنا پیٹ کھول دیا کہ تو بھی لکڑی میرے پیٹ میں چبھو دے۔ اُس نے بڑھ کر آپ کا شکمِ مبارک چوم لیا اور عرض کیا کہ میں یہی چاہتا تھا۔ چوری کے ایک مقدمے میں ایک خاندانی عورت ماخوذ ہوئی۔ سفارش کی گئی کہ اسے سرقہ کی حد سے معاف کر دیا جائے۔ حضوؐر نے جواب دیا تم سے پہلے کی قومیں اسی لیے برباد ہوئیں کہ وہ عام لوگوں پر حدیں جاری کرتی تھیں اور معززین کو معاف کر دیتی تھیں۔ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ فَعَلَتْ ذٰلِكَ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔" اس

© rasailojaraid.com